ڈاکٹر غلام فریدہ*

اٹھارویں صدی کے پنجاب میں سماجی تنقید: بلھے شاہ اور وارث شاہ کے کلام کی روشنی میں

Abstract: *Social history in reference to historical writings of Punjab is very short. Its main reason is lack of awareness and social consciousness towards the cultural sciences. Tofill this gap, we have to support the social sciences. When we talk about Punjab, s cultural domain in the eighteenth century, we cannot go further without mentioning the two most prominent names of well-known Punjabi Sufi poets Bulleh Shah and Waris Shah for this century. In the verses of these two Sufi poets, the social, religious, cultural and political aspects of society have been discussed. They reflect society's social groups, reflecting the backward classes of society.*

پنجاب کے تاریخی اعداد و شمار میں سماجی تاریخ کے حوالے بہت کم ملتے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ عمرانی اور ثقافتی علوم کی طرف عدم توجہی اور سماجی شعور کا فقدان ہے۔اس خلا کو پُر کرنے کے لیے ہمیں ادبی خدمات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔جب ہم اٹھارویں صدی کی پنجابی معاشرت کی بات کرتے ہیں تو ہم اس صدی کے دو معروف پنجابی صوفی شعرا بلھے شاہ اور وارث شاہ کا نام لیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ان دونوں کے کلام میں معاشرے کے سماجی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی پہلوؤں پر بات کی گئی ہے۔انھوں نے معاشرے کے پسماندہ طبقات کی عکاسی کرتے ہوئے معاشرے کے دبے ہوئے سماجی گروہوں کو واضح کیا ہے۔

ان دونوں شعرا کے کلام میں معاشرتی اور سماجی تقسیم پر تنقید ملتی ہے۔"ہیر وارث شاہ" میں نچلی ذات کے لوگوں جن میں چوہڑے، موچی اور تیلی وغیرہ کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔اس طبقے کو عزت نہ دینا اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھنا اس وقت کے پنجاب کا ایک عام معاشرتی رویہ نظر آتا ہے۔اس لیے اس قماش کے لوگوں کو معاشرتی معیارات اس قابل نہیں سمجھتے کہ انھیں بھی کوئی قدر و منزلت اور عہدہ دیا جاسکتا ہے۔وارث شاہ نے اسی اجتماعی رویے کو بیان کرتے ہوئے سماج کے لیے ایک سوالیہ نشان چھوڑا ہے کہ بھلا جاٹوں، موچیوں اور تیلیوں کی اولاد بھی فقیری کی اہل ہو سکتی ہے۔"وارث شاہ نے اس پیار کی گاتھا کو لکھتے ہوئے اس میں پنجاب کی ثقافت تہذیب و تمدن کی ایسی تصویر پیش کر دی ہے کہ یہ قصہ پڑھتے ہوئے پورا پنجاب زندہ و جاوید ہو کر قاری کی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔"۱

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

؎ نہیں چوہڑے دا پُت ہو سید گھوڑے ہون ناہیں پُتر لیلیاں دے
وارث شاہ فقیر بھی نہیں ہوندے بیٹے جٹاں تے موچیاں تیلیاں دے ۲

ترجمہ: کبھی کسی چوہڑے کا بیٹا سید ہوتا ہے اور نہ ہی چھوٹے مینڈھوں کے بیٹے گھوڑے ہوتے ہیں۔ وارث شاہ جاٹوں، موچیوں اور تیلیوں کے بیٹے بھی کبھی فقیر نہیں بن سکتے۔

جب ہیر وارث شاہ لکھی گئی اس وقت پنجاب زبوں حالی کے دور سے گزر رہا تھا۔ نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے پورے پنجاب کی بساط الٹ کر رکھ دی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سکھوں کی شورش، مرہٹوں کی یلغار اور لوٹ مار نے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ ایسے انتشاری دور میں اخلاقی وروحانی تنزل کا در آنا فطری امر تھا۔ چنانچہ اس وقت کے سلاطین وامرا ملکی صورتحال سے بے بہرہ عیش وطرب کی محفلوں میں اپنا جی لبھا رہے تھے۔ اس ساری صورتحال کا بیان وارث شاہ کی شاعری میں ملتا ہے۔ بقول علی عباس جلالپوری

> وارث شاہ کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ اس ہمہ گیر جبر و تشدد کے عالم میں مظلوم اور کمزور عوام کی حالت نہیں سقیم تھی۔ وہ بار بار مختلف پیرائیوں میں عوام کی زبوں حالی اور مظلومیت کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مظلوم اور غریب جنھیں پیروں تلے روندا جارہا ہے ڈر کے مارے حرفِ شکایت زباں پر نہیں لاتے۔ ۳

خاندانی وجاہت اور ذات برادری پنجابی معاشرے کا دکھتا ہوا ناسور ہے۔ اپنی ذات اور خاندانی وجاہت کو ہر جگہ فخر اور رعونت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس لیے آج کے پنجابی کلچر میں بھی اپنے خاندانی منصب کے خلاف کوئی بھی بات نُعماکٹ مرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اونچی ذات اور برادری کے لوگوں سے تعلقات جوڑنا بھی قابلِ فخر بات سمجھی جاتی ہے۔ "ہیر وارث شاہ" میں بھی اسی سماجی رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جب رانجھے کی بھابھی اُسے للکارتی ہے کہ اگر ہمت ہے تو سیالوں کی ہیر سے شادی کر کے دکھاؤ تو رانجھا اس کی للکار کو قبول کرتے ہوئے بھابھی سے کہتا ہے کہ میں سیالوں کی خوبصورت لڑکی سے شادی کر کے دکھاؤں گا۔

؎ نڈی سیالاں دی ویاہ کے لیاوساں میں کرو بولیاں اتے ٹھٹھولیاں نی
بہے گھت پیڑھا وانگ مہریاں دے ہون تُساں جہیاں اگے گولیاں نی ۴

ترجمہ: تم مجھے شریکوں کی طرح طعنے مارو، اور نہ ہی میرا مذاق اڑاؤ۔ میں تمہیں سیالوں کی خوبصورت دوشیزہ سے بیاہ کر کے دکھاؤں گا۔ جو رانیوں کی طرح اونچی مسند پر بیٹھے گی اور تم سب اس کے گرد کنیزوں کی طرح کھڑی ہوں گی۔

اسی سماجی رویے کی گونج بابا بلھے شاہ کے کلام میں بھی سُنائی دیتی ہے۔ سید ذات کو پنجابی کلچر میں بہت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ذات کے لوگ غیر ذات اور برادری کے لوگوں سے رشتے داری اور تعلق قائم کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے بلھے شاہ کے کلام میں سیدوں کے غیر سید ذاتوں کے ساتھ تعلقات پر ممانعت کی گئی ہے۔

ے من لے بُلھیا ساڈا کہنا، چھڈ دے پلا رائیاں
آل نبیؐ اولادِ علی نوں تُوں کیوں لیکاں لائیاں
جیہڑا سانوں سید سدے دوزخ ملن سزائیاں
جو کوئی سانوں ارائیں آکھے بھشتی پینگاں پائیاں۵

ترجمہ: مان لے بُلھے ہماری بات اور ارائیوں کا پیچھا چھوڑ دے۔ آل نبی جو کہ سید ذات ہے اُن کو رسوا نہ کرو۔ سید جو کوئی ہمیں پکارے دوزخ میں وہ سزا پائے گا اور جو ہم کو ارائیں کہے گا وہ جنت میں جھولا جھولے گا۔

وارث شاہ نے اس معاشرتی رویے کو بھی موضوعِ تنقید بنایا ہے جس میں ملازمین اور نوکروں کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ معاشرہ اس طبقے سے بھرپور وفاداری کی اُمید رکھتا ہے لیکن بدلے میں انھیں ان کا جائز مقام نہیں عطا کرتا۔ ہیر کو بھی گاؤں کے قاضی حضرات یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نوکروں، چاکروں سے بات چیت کرنا اور ان سے راہ و رسم قائم کرنا بہت معیوب بات ہے۔ یہ طبقہ محنت مزدوری کے لیے پیدا ہوا ہے اس لیے ہماری خدمت کرنا ان کا فرض ہے۔ چنانچہ اس قماش کے لوگوں سے تعلقات محض کام کاج تک محدود رکھنے چاہیے۔

ے چاک چوبراں نال نہ گل کیجیے، ایہہ محنتی کیہڑے تھاؤں دے نیں۶

ترجمہ: نوکروں اور کام کرنے والوں سے زیادہ بات چیت نہیں کرنی چاہیے یہ صرف محنتی کیڑے ہیں۔

یہ ایک ایسا غیر انسانی رویہ ہے جو انسانوں کو ان کی ذاتی قابلیت اور کردار کی بجائے ان کے خاندان اور قبیلے کی معاشرتی حیثیت کی بنیاد پر عزت دیتا ہے۔ یہاں وارث شاہ نے چاکر یعنی نوکر کے لیے محنتی کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن معاشرتی رویے اس کو بھی خوبی تصور کرنے کی بجائے حقیر گردانتے ہیں۔ یہ غلط معاشرتی رویے اس قدر حوصلہ شکن ہیں کہ نچلے طبقے کے لوگ محنت اور کام کرنے سے جی چراتے ہیں۔

ان پسماندہ طبقات کے علاوہ عورت کی کمتر سماجی حیثیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ عورت کی آزادی اظہار ایک ایسی بدفعلی تصور کی جاتی ہے جو نہ صرف خود اس کی اپنی ذات کے لیے بلکہ اس کے پورے خاندان کے لیے باعثِ شرمندگی ہے۔ ہیر کا رانجھے کے لیے پسندیدگی کے جذبات رکھنا اس کے خاندان کے لیے جُرم بن جاتا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عورت کی رائے کی کوئی سماجی اور قانونی

حیثیت نہیں۔ اس لیے اس کی زندگی کے تمام فیصلے اس کی مرضی اور پسند جانے بغیر کیے جاتے ہیں۔ اُسے معاشرے میں کہیں بھی باعزت مقام حاصل نہیں بلکہ وہ اپنے بڑوں کے کیے جانے والے فیصلوں کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہے۔ عورت کا یہ استحصال دراصل اس ثقافتی رجحان کا عکاس ہے جس میں عورت ایک باندی اور غلام کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہے۔

خاندانی روایات کی خاطر لڑکیوں کو قربان کر دینا اس دور کی ایک عام معاشرتی روش ہے۔ عورت کی زندگی کے فیصلے اس کی مرضی اور پسند کے بغیر خاندان کے اجارہ دار خود کر لیتے ہیں۔ ہیر کا رانجھے سے عشق اور شادی کرنے کی خواہش کا اظہار اس کے خاندان کے لیے گویا کسی گالی سے کم نہ تھا۔ اس لیے جب گاؤں کے بوڑھے بزرگ ہیر کو اپنی بات سمجھانے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو آخر میں دھمکیوں سے ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایسی نافرمان بیٹیوں کے تو سر تن سے جدا کر دیے جاتے ہیں اور ان کی لاشیں کتوں، بلیوں اور کووں کے کھانے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

؎ سر بیٹیاں دے چا جدا کر دے جدوں غصیاں باپ آوندے نیں
سر وڈ کے سٹیں وچ روڑ دیندے ماس کاؤں کتے بلے کھاوندے نیں
جدوں قہر تے آوندے باپ ظالم بنھ بیٹیاں بوہرے پاوندے نیں
وارث شاہ جے ماریئے بداں تائیں دینے خون نہ تہاندے آوندے نیں ۷

ترجمہ: جب باپ غصے میں آکر بیٹیوں کے سر تن سے جدا کرتے ہیں تو ان کا سر کاٹ کر ندی میں بہا دیتے ہیں اور ان کا گوشت کتوں اور بلیوں کے کھانے کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب باپ ظلم کرنے پر آتے ہیں تو بیٹیوں کو باندھ کر تہہ خانوں میں پھینک دیتے ہیں۔ وارث شاہ اگر برے لوگوں کو قتل بھی کر دیا جائے تو ان کا خون بہا ادا نہیں کرنا پڑتا۔

عورت اس معاشرے میں دوسرے درجے کی مخلوق ہے جس پر کڑی پابندیاں لگا کر اس کی قوت فیصلہ اور شخصی آزادی کو سلب کر دیا جاتا ہے۔ ہیر کی محبت کو بد چلنی کا نام دے کر اس کے کردار کو داغدار کر دیا جاتا ہے۔

؎ ماں ہیر دی تھے لوک کرن چغلی مہری ملکیے دھیو خراب ہے نی
اسی ماسیاں پھوپھیاں لج موئیاں ساڈا اندروں جیوں کباب ہے نی
تیری دھیو دا مغز ہے بیگماں دا ویکھو چاک جیوں پھرے نواب ہے نی
وارث شاہ منہ انگلاں لوک گھتن دھیو ملکی دی بہج خراب ہے نی ۸

ترجمہ: ہیر کی ماں جو گاؤں میں قابل احترام عورت سمجھی جاتی تھی کو گاؤں کے لوگ آکر بتاتے تھے کہ تمہاری بیٹی خراب ہو چکی ہے۔ ہم اس کی ماسیاں پھوپھیاں جب یہ بات سنتی ہیں تو شرم سے ڈوب مرنے کے سوا کوئی چارا نہیں ہوتا، لیکن ہم جل بُھن کر کباب ہو جاتی

ہیں۔ تمہاری بیٹی کا دماغ بیگمات جیسا ہے اور وہ نوکر بھی ایسے پھرتا ہے جیسے کوئی نواب ہو۔ وارث شاہ لوگ حیرت سے انگلیاں دانتوں میں دبائے تھے کہ "ملکی" کی بیٹی خراب ہوگئی ہے۔

قدیم پنجاب میں عورت کی کمتر سماجی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے، جہیز، بیٹیوں کی زبردستی شادی جیسے مسائل کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ ہیر وارث شاہ میں ہیر کی زبردستی شادی کے مسئلے کو بیان کرتے ہوئے وارث شاہ نے بیٹیوں کے حوالے سے ان کے والدین کے تحفظات کو بیان کیا ہے۔ ہیر کا جرات اظہار اس کے خاندان کے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ کاش پیدا ہوتے ہی اس کا گلہ گھونٹ دیا جاتا۔

چوچک آکھدا ملکیے جمدی نوں گل گُھٹ کے کاہے نہ ماریو ای
گھٹی اک دی گھول نہ دتیائی اوھو اج صواب نتاریو ای
منجھ ڈونگھڑے دھیو نہ بوڑیائی وڈھ لوڑھ کے مول نہ ماریو ای
وارث شاہ خدائے دا خوف کیتو قارون وانگ نہ زمیں نگاریو ای ۹

ترجمہ: چوچک نے کہا "ملکیے" تم نے اسے پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار کیوں نہ دیا۔ تم نے اسے دودھ کی بجائے آگ کی گُھٹی پلادی ہوتی تو آج وہی نیک عمل کام آتا۔ کسی گہرے پانی میں ڈبو دیتی یا پھر اس کے ٹکڑے کر کے دریا میں بہادیتی۔ وارث شاہ خدا کا خوف کھایا اور اسے قارون کی طرح زمین میں نہ غرق کیا۔

وارث شاہ اور بلھے شاہ کے کلام میں اٹھارویں صدی کے پنجاب کی غیر منصفانہ حکمت عملیوں کو بھی نشانہ تنقید بنایا گیا ہے۔ گاؤں کے قاضی جن کا اصل منصب لوگوں کو انصاف فراہم کرنا اور حق کا ساتھ دینا ہوتا ہے وہ اپنے فرائض کے منافی تفرقے اور فساد کی وجہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ طبقہ معاشرے کا بکاؤ طبقہ ہے جو طاقت اور پیسے کی کشش کے پیچھے شریعت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ انہی نام نہاد مولویوں اور مُلاؤں کے غلط فیصلوں کی وجہ سے معاشرے میں بے اعتباری اور عدم تحفظ جیسے عوامل کو ترغیب مل رہی ہے۔

حضرت قاضی تے پینچ سدا سارے بھائیاں زمیں نوں کچھ پوائی آہی
وڈھی دے کے بھوئیں دے بنے وارث، بنجر زمیں رنجھیٹے نوں آہی ۱۰

ترجمہ: رانجھے کے بھائیوں نے گاؤں کے قاضی اور پنچ کو بلوا کر زمین تقسیم کروائی۔ رشوت دے کر خود تو اچھی اور زیر کاشت زمین کے وارث بن گئے اور رانجھے کو بنجر زمین دلوادی۔

وارث شاہ نے مُلا کے کردار کو بھی نشانہ تنقید بنایا ہے اور اُسے **پنڈ جھگڑیاں دی** کر مخاطب کیا ہے۔ خود کو عقلِ کُل کہنے والا یہ طبقہ لوگوں میں انتشار پیدا کر رہا ہے۔ مذہبی تعلیمات سے بے بہرہ یہ مُلا اور قاضی مذہب کے اجارہ دار اور ٹھیکے دار بنے پھرتے ہیں۔ ان کے لیے

انسانی اقدار سے زیادہ اہم ان کے کٹر اور بے بنیاد نظریات ہیں جو دکھی انسانیت کو پر سکون کرنے کی بجائے اس کے لیے وبالِ جان بنے ہوئے ہیں۔

ؔمُلاں آکھیا چونیاں ویکھدیاں ای غیر شرع تُو کون ہیں دور ہو اوئے
ایتھے مُلیاں دی کائی جا ناہیں پٹے دور کر حق منظور ہو اوئے ۱۱

ترجمہ: مُلانے رانجھے کے بڑھے ہوئے بال دیکھ کر کہا تم شرع سے غافل کون ہو؟ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ یہاں لچے اور بد معاشوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

وارث شاہ نے اس طبقے کی مکاریوں اور فریب کاریوں کو کھل کر بیان کیا ہے۔ انھوں نے مذہبی انتہا پسندی کے اس رجحان کے منفی پہلوؤں سے پردہ اٹھاتے ہوئے اس کے دوہرے معیارات کو نشانہ تنقید بنایا ہے۔ خود کو پاکباز اور منصف کہلانے والا یہ طبقہ دراصل معاشرے میں غلط کاریوں کو رواج دے رہا ہے۔ یہ لوگ نیکی کا لبادہ اوڑھ کر شر پسندی کو ترغیب دے رہے ہیں اور احتساب کے پردے میں در حقیقت معاشرے کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔

وارث شاہ نے مکالماتی انداز میں ملا اور رانجھے کی گفتگو کو بیان کیا ہے۔ مُلا رانجھے کی ظاہری وضع قطع پر تنقید کرتا ہے اور اس کے لباس، حلیہ اور غیر فقہی طرز پر اس سے جرح کرتا ہے۔ ان فتوؤں کے جواب میں رانجھا اُسے اس کی اصلیت سے آگاہ کرتا ہے۔ یہاں رانجھے کا انداز استفہامیہ ہے جس کے ذریعے وہ مُلا سے اس کی نمازوں کی اصلیت کے متعلق استفسار کرتا ہے۔

ؔسانوں دس نماز ہے کاس دی جی کاس نال بناء کے ساریا نیں
کَن نک نماز دے ہین کتنے مَتھے کہنا دے دُھروں ایہہ ماریا نیں ۱۲

ترجمہ: ہمیں بتاؤ نماز کس کی ادا ہوتی ہے اور اسے کس چیز سے ملا کر تیار کیا گیا ہے۔ یعنی اسے کس لیے فرض کیا گیا ہے اور اس کے ناک کان کتنے ہیں۔

وارث شاہ نے ہمارے معاشرے میں مذہب کے حوالے سے جبری اور جارحیانہ رویے کو بیان کیا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک مذہب محض فرض، سنت اور وتر نمازوں کی پابندی کا نام ہے۔ یہ مذہبی پیشوا لوگوں کو پُل صراط عبور کرنے کا طریقہ تو بتا دیتے ہیں لیکن دنیاوی زندگی گزارنے کا کوئی گُر نہیں سمجھا سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کی وجہ سے مذہب محض ایک عقیدہ بن کر رہ گیا ہے اور اس میں سے عمل کی روح مفقود ہو گئی ہے۔

اس طبقے کی غلط کاریوں اور فریب کاریوں کو بابا بلھے شاہ کے کلام میں بھی پیش کیا گیا ہے۔بلھے شاہ نے مُلا اور قاضی کے لیے ٹھگ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔یہ معاشرے کے وہ طبقات ہیں جو لوگوں کو دین اور دھرم کے نام پر دھوکہ دیتے ہیں۔انھی لوگوں کی وجہ سے مذہب اور اخلاقیات بدنام ہیں۔

مُلا ، قاضی راہ بتاون ،دین دھرم دے پھیرے
ایہ تاں ٹھگ نیں جگ دے جیور،لاون چال چوفیرے
کرم شرع دے دھرم بتاون ،سنگل پاون پیری
ذات مذہب ایہ عشق نہ پچھدا ،عشق شرع دا ویری ۱۳

ترجمہ:مُلا اور قاضی ہمیں دین اور مذہب کی الجھنیں کیا سمجھائیں گے۔یہ تو ایسے دھوکے باز ہیں جو اپنی چالوں کا جال چاروں طرف پھیلا دیتے ہیں۔یہ جو شرع کے قوانین بتا کر احسان جتاتے ہیں وہ در اصل پاؤں میں بیڑیاں ڈالتے ہیں۔عشق ذات اور مذہب کو نہیں دیکھتا،یہ تو شرعیت کا دشمن ہے۔

اس طبقے کی غیر مصلحانہ پالیسیوں کی وجہ سے مساجد اور مذہبی مقامات لوگوں میں مذہب سے بیزاری کے رویے کو جنم دے رہے ہیں۔بابا بلھے شاہ کے کلام میں اس طبقے کی مکاریوں کا ذکر نہایت طنزیہ پیرائے میں بیان ہوتا ہے۔

> آپ کے کلام کی ایک بڑی خوبی طنزیا چوٹ ہے جو کہیں سوئی کی ہلکی چُبھن کی طرح ہے اور کہیں ہتھوڑے کی کراری چوٹ بن جاتی ہے۔اس طنز کا زیادہ تر استعمال مُلاؤں، قاضیوں، پنڈتوں، پروہتوں اور نمائشی پرہیز گاروں کے خلاف کیا گیا ہے۔۱۴

وارث شاہ نے اس طبقے کی معاشی کمزوریوں پر گہری چوٹ کی ہے۔ان لوگوں نے اسے فرضِ منصبی سمجھنے کی بجائے اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے۔بقول علی عباس جلالپوری

> وارث شاہ نے اپنے زمانے کے کٹھ مُلاؤں اور قاضیوں کی ریاکاری اور مکر و فریب کی پردہ بڑی بے رحمی سے چاک کیا ہے۔کہتے ہیں یہ "رب دے مارے"شریعت کے احکام کو بالائے طاق رکھ کر ہمیشہ اس شخص کی حمایت کرتے ہیں جو انھیں رشوت دیتا ہے۔یہ لوگ اپنی غرض برداری کے لیے دینی علوم پڑھتے ہیں لیکن احسان خلقِ خدا پر دھرتے ہیں۔یہ ہر وقت نئے سے نئے شکار کی تاک میں بیٹھے رہتے ہیں۔۱۵

یوں اٹھارویں صدی کے ان دو صوفی شعرا کے کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام محض اس عہد کی صوفیانہ روایت اور اخلاقی و روحانی پہلوؤں کا ہی احاطہ نہیں کرتا بلکہ اس میں پورے عہد کی روح دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔دونوں شعرا نے اپنے

کلام میں اس دور کے سماجی رویوں کی پیشکش میں نہایت دروں بینی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔ غلط سماجی رویوں جن میں ذات برادری کی تقسیم، عورت کے استحصال، پسماندہ طبقات کے ساتھ روا رکھی جانے والی غیر منصفانہ پالیسیوں اور دیگر جاہلانہ رسومات پر کڑی تنقید کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں شعرا کا کلام اپنے عہد کی سماجی تنقید کا ایک بھرپور حوالہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ رتن سنگھ (مرتب)، حضرت وارث شاہ، اردو اکادمی دہلی، 2012ء، ص 71

۲۔ اکرم شیخ، مترجم، ہیر وارث شاہ مع اردو ترجمہ، بک ہوم لاہور، 2006ء، ص 74

۳۔ علی عباس جلالپوری، مقامات وارث شاہ، روہتاس بکس، لاہور، 1972ء، ص 71

۴۔ اکرم شیخ، مترجم، ہیر وارث شاہ مع اردو ترجمہ، بک ہوم لاہور، 2006ء، ص 22

۵۔ علی عباس، مترجم، بلھے شاہ کا کلام، پنجاب کونسل آف دی آرٹس، لاہور، 1989، ص 43

۶۔ ایضاً ص 32 ۷۔ ایضاً، ص 96

۸۔ اکرم شیخ، مترجم، ہیر وارث شاہ مع اردو ترجمہ، بک ہوم لاہور، 2006ص، 75

۹۔ کرم شیخ، مترجم، ہیر وارث شاہ مع اردو ترجمہ، بک ہوم لاہور، 2006، ص 82

۲۰۔ ایضاً، ص، 13 ۱۱۔ ایضاً، ص 31 ۱۲۔ ایضاً، ص 33

۱۳۔ علی عباس، مترجم، بلھے شاہ کا کلام، پنجاب کونسل آف دی آرٹس، لاہور، 1989، ص 43

۱۴۔ جی۔ آر۔ یوری / ٹی۔ آر شنگاری، سائیں بلھے شاہ، فکشن ہاؤس، لاہور، 1995ء، ص 200

۱۵۔ علی عباس جلالپوری، مقامات وارث شاہ، روہتاس بکس، لاہور، 1972ء، ص 176

☆☆☆☆☆